مستقبل آپ کا منتظر

خُرّم مُرادؒ

منشورات

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ

نام کتاب : مستقبل آپ کا منتظر
مصنف : خرم مراد
طبع سوم : جون ۲۰۱۴ء
تعداد : ۲۰۰۰

ناشر منشورات

E-8، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ 54790
042-35252210 - 35252211
042-35252194
SMS ur Address:
0332-003 4909, 0320-543 4909
manshurat@gmail.com / @hotmail.com
www.facebook/manshurat
www.pinterest.com/manshurat

مطبع : سپوتنک پریس، بندر روڈ، لاہور۔
کوڈ : 00116
ISBN : 978-969-633-135-3
قیمت : ۸ روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زندگی کے وہ لمحات جب ملت اسلامیہ کے مستقبل اور دنیا کے مستقبل کے بارے میں گفتگو کرنے کی سعادت نصیب ہو، بڑے مبارک لمحات ہیں۔ آپ خود امت مسلمہ اور عالم اسلام کا مستقبل ہیں اور آپ کے سامنے یہ موضوع چھیڑنا کہ مستقبل آپ کا منتظر ہے، دراصل دونوں چیزوں کو جمع کر دینا ہے۔

مستقبل

مستقبل کا لفظ اپنے اندر بڑی شرینی، حلاوت، کشش اور حسن و جمال رکھتا ہے۔ اس لیے کہ وقت اس طرح بنایا گیا ہے کہ ہر آنے والا لمحہ ماضی میں بدلتا چلا جاتا ہے، اور نگاہوں کے سامنے ساری آرزوئیں، ساری تمنائیں، ساری امیدیں، سارے عزائم اور سارے خواب مستقبل کے لمحات سے وابستہ ہوتے ہیں۔ مستقبل انسان کی زندگی کے ساتھ گندھا ہوا ہے۔ لیکن انسان سے بڑھ کر ایک مسلمان کی نگاہیں ہمیشہ مستقبل پر جمی رہتی ہیں، یا کم از کم جمی رہنی چاہییں۔

ایک مسلمان کے سامنے جو مستقبل ہے، وہ موت کی سرحد کے اس پار واقع ہے، جس کا نام آخرت ہے۔ موت کے بعد آنے والی مستقبل کی زندگی، وہاں کی کامیابی، وہاں کا انعام، وہاں کی سرفرازی ہی مطلوب و مقصودِ مومن ہے۔ اس لیے مسلمان تو جیتا ہی مستقبل کی فضا میں ہے۔ آج وہ جو کام بھی کرتا ہے، اس لیے کرتا ہے کہ اس کا پھل کل اس کو مل جائے۔ وہ ہر وقت یہ دیکھتا رہتا ہے کہ وہ کل کے لیے کیا بھیج رہا ہے۔ اگر آج کی کوئی اہمیت اس کے لیے ہے تو اسی لیے

ہے وہ آج کے ذریعے اپنا کل بنا سکتا ہے۔ وہ کل کہ جو موت کی سرحد کے پرے واقع ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر ۵۹: ۱۸) یعنی ہر شخص یہ دیکھتا رہے، نگرانی کرتا رہے کہ وہ کل کے لیے کیا بھیج رہا ہے، کیا سامان کر رہا ہے۔

کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس سوچ اور فکر کو اسی کل تک محدود کر دیں جو موت کی سرحد سے پرے واقع ہے۔ موت کی سرحد کے پار آنے والا کل ایک مسلمان کے لیے اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ وہ اس کی ذاتی زندگی میں بھی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لیے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق مسلمان کا ہر دن گزرنے والے دن سے بہتر ہونا چاہیے۔

اجتماعی طور پر جو لوگ اس مقصد کے لیے جمع ہوئے ہیں کہ دنیا کا نقشہ بدل دیں گے، نیا انسان، نیا عالم اور نئی دنیا تخلیق کریں گے، اُن کی تو ساری کوششیں اور ساری سوچیں ہی کل پر مرکوز ہوتی ہیں، یا ہونی چاہیں۔ لہٰذا جو خواب بھی ہم دیکھتے ہیں، ان کا تعلق اس سحر سے ہوتا ہے جو صبح کے وقت طلوع ہوتی ہے۔ جو عالمِ نو دنیا کے اندر بننے والا ہے وہ تو اقبال کے الفاظ میں پردۂ تقدیر کے پیچھے پوشیدہ ہے لیکن مومن کی نگاہ اس سحر کو بے حجاب دیکھ سکتی ہے جس سحر کے لیے انسان منتظر ہے۔

مستقبل کی صورت گری

خیال رہے کہ ''مستقبل تمھارا منتظر ہے'' موضوع سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ مستقبل کوئی ایسی چیز ہے جو کسی جگہ موجود ہے اور آپ کی گود میں آ گرے گا۔ مستقبل من وسلویٰ کی طرح آسمان سے نہیں اترتا۔ مستقبل تو اسی کا ہوتا ہے جو آگے بڑھ کر اس کو اپنا لے۔ جو آج وہ کام کرے جس سے کل کا نقشہ، اس کے خوابوں، اس کے عزائم اور اس کی آرزوؤں کے مطابق ہو۔ جو آج، کل کی فکر سے غافل ہیں، وہ آخرت میں بھی کفرانِ نعمت میں مبتلا ہوں گے اور دنیا میں بھی ان کے حصے میں کچھ نہیں آئے گا۔ اس لیے ہمارے سارے خواب، ہماری ساری تمنائیں اور آرزوئیں

اسی بات سے وابستہ ہیں کہ ہم آج وہ کام کرسکیں جن سے کل کے مستقبل کی صورت گری ہو سکے۔کل کا مستقبل وہ ہو جو ہمارے لیے محبوب اور مطلوب عزیز ہو۔

یہ دراصل وہ مستقبل ہے جو ہمیں اپنی ہی کوشش سے اور اپنی ہی محنت سے حاصل کرنا ہے۔ یہ آگے بڑھ کر، اس کو گرفت میں لے لینے سے حاصل ہوسکتا ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ازلی قانون ہے کہ جو اس نے اپنے ہر نبی کی معرفت ہمیں دیا ہے: **لَّیْسَ لِلْاِ نْسَانِ اِلَّامَا سَعٰی (النجم ۵۳: ۳۹)**، یعنی انسان کے لیے اس کے علاوہ کچھ مقدر نہیں ہے جس کے لیے وہ کوشش کرے، سعی کرے جدوجہد کرے اور جہاد کرے۔آخرت میں بھی اس کو جو کچھ ملے گا۔ اس کے لیے اس کو کہا جائے گا: **اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الطور ۵۲:۱۶)**، یعنی جو کچھ تم کو ملا ہے یہ سب اس کا بدلہ ہے جو تم ماضی کے کل میں (یعنی ماضی کا وہ کل جو پیدایش سے لے کر موت تک کے عرصے پر محیط تھا) جو کچھ تم کرکے آئے ہو، وہی آج جنت کی صورت میں، انعام کی صورت میں اور لذیذ کھانوں کی صورت میں اور اللہ کے قرب کی صورت میں، تمھارے لیے مقدر ہو گیا۔ یہ کسی خواہش، آرزو اور دعا کے نتیجے میں حاصل نہیں ہوا بلکہ یہ تمھارے عمل کے نتیجے میں حاصل ہوا۔ دعا اور آرزو بھی اس عمل کا ایک حصہ ہے۔لیکن جس طرح **اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الطور ۵۲:۱۶)** آخرت کے بارے میں صحیح ہے، اسی طرح دنیا کے لیے بھی **لَّیْسَ لِلْاِ نْسَانِ اِلَّامَا سَعٰی (النجم ۵۳:۳۹)**، یعنی انسان کے لیے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے جس کے لیے وہ کوشش کرے، صحیح ہے۔

مستقبل کہیں بھی کسی کا منتظر نہیں ہے۔مستقبل ہر اس فرد کا، اس قوم کا، اس گروہ کا اور اس جماعت کا مقدر ہے جو آگے بڑھ کر اس مستقبل کو اپنے عزائم اور اپنے جہاد کے ذریعے اپنے نقشے میں ڈھال لے۔ یہ اللہ کی سنت ہے۔ یہ اللہ کا قانون ہے۔ یہ اللہ کی طے کردہ تقدیر ہے۔ اگر کافر آگے بڑھ کر مستقبل کو اپنے ہاتھوں میں سنبھال لے گا تو وہ مستقبل کا مالک ہوگا، اور وہ نیو ورلڈ آرڈر بنائے گا۔اگر مومن آگے بڑھ کر اسی مستقبل کو تھام لے گا اور اس مستقبل کے لیے

نقشہ گری کرے گا تو پھر عالمِ نو مومن کا ہوگا۔اس کا سارا تعلق عمل سے ہے۔لہٰذا مستقبل اگر ہمارا ہے تو یہ مستقل محنت اور سعی سے حاصل ہوسکتا ہے، محض آرزوؤں، تمناؤں اور خواہشوں سے نہیں۔

اسلام اور مغرب کی کش مکش

مستقبل کی بات اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک ہم تھوڑا سا وقت ماضی اور حال کے جائزے پر نہ لگائیں۔

یہ دنیا دکھ درد کی دنیا ہے۔فرشتوں نے اگر یہ کہا تھا کہ آدم خوں ریزی کرے گا تو اس صدی کے انسان سے بڑھ کر کسی انسان نے فرشتوں کے اس خدشے کو پورا نہیں کیا۔اس میں کروڑوں انسان اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، کروڑوں انسان اپاہج ہو گئے، اور بے انتہا بربادی دنیا کے حصے میں آئی۔انسان نے انسان کا خدا بن کر انسان کو جس دکھ درد کے اندر مبتلا کیا ہے، اس کی نظیر انسانی تاریخ پیش نہیں کرسکتی۔خدا کی مرضی کو اور خدا کے دیے ہوئے دین کو اپنی زندگی سے خارج کر کے انسان نے اس دنیا کو جس مصیبت کا شکار بنایا ہے، اس کی مثال بھی تاریخ میں مشکل سے ہی ملتی ہے۔

اگر ہم آج اس امت کے حال اور اس کے ماضی کو دیکھیں جس امت کا ہم حصہ ہیں، تو ذلت اور مسکنت کے گہرے بادل اس کے اوپر چھائے ہوئے نظر آتے ہیں۔اگر آپ پلٹ کر اس صدی میں ۱۹۲۰ء کا نقشہ اٹھا کر دیکھیں تو آپ کو پتا چلے گا کہ اس وقت چار چھوٹے بے حیثیت ملک تھے جو مغرب کے تسلط سے آزاد تھے: افغانستان، یمن، سعودی عرب اور ترکی۔اس کے علاوہ انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک ہر ملک مغرب کے پاؤں تلے روندا جا چکا تھا۔آج اگر یہ ملک اور بہت سے مسلمان ممالک بظاہر آزاد ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغرب ہی کو غلبہ اور تسلط حاصل ہے۔میں یہاں مغرب کا لفظ کسی جغرافیائی خطے کے لیے استعمال نہیں کر رہا اور اسلام کا لفظ بھی اس اسلام کے لیے استعمال نہیں کر رہا جس اسلام پر یہ امت عمل پیرا ہے۔میرے

نزدیک اسلام ان معنوں میں ہے کہ جو دین اللہ کی طرف سے آیا تھا، اور مغرب اس تہذیب کے معنوں میں ہے جو خدا کے انکار پر مبنی ہے۔ اسلام اور مغرب کی یہ طویل کش مکش کافی عرصے سے جاری ہے۔ جب مسلمان دنیا کی قیادت سے دست بردار ہو گئے اور حجروں اور مدرسوں میں جا کر بیٹھ گئے اور حکومت کا کام شاہوں اور سلاطین کے حوالے کر دیا تو بالآخر دنیا کی قیادت بھی ان کے ہاتھ سے نکل گئی۔ اب ۳۰۰ سال میں یہ عالم ہے کہ وہ مسلمان جس کو دنیا کی امامت کے لیے چنا گیا تھا جس کا مقصدِ وجود ہی اُخرِجَتْ لِلنَّاسِ کے الفاظ میں بیان ہوا تھا، وہ مغلوب ہے۔ دنیا کے اندر اگر کوئی سکہ اور کرنسی رائج ہے تو وہ مغرب کے افکار، مغرب کی زبان اور مغرب کے اداروں کی ہے۔

ایک مغربی مفکر کے الفاظ میں: ''ہم نے کہیں بھی آزادی دے دی ہو، لیکن ہماری جینز اور ہمارا کوکا کولا دنیا کے ہر حصے میں اس بات کی علامت ہے کہ ہمارا کلچر اور ہماری ثقافت ہر جگہ موجود ہے، اور ہمارا نشان کہیں سے مٹایا نہیں جا سکتا''۔

جکارتا ہو یا کراچی، ریاض ہو یا قاہرہ، حکومت کے ایوان ہوں یا عدالت کی مسندیں، بازار ہوں یا بنک، یونی ورسٹیاں ہوں یا نصابِ تعلیم، کتابیں ہوں یا بولنے کی لغت اور الفاظ، یہ سب کے سب وہ ہیں جو پچھلے تین سو سال میں دنیا میں رائج ہوئے اس سے انکار ممکن نہیں۔ آج کا انسان اور ملت اسلامیہ جس دکھ اور درد میں مبتلا ہیں، میں نے مختصراً اس کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرائی ہے۔

کیا یہ صورت حال ہمیشہ اسی طرح رہے گی؟

کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہمیشہ ایسا ہی ہو۔ اس لیے کہ اللہ کے قانون کے مطابق دنیا کی امامت، عالمِ نو کی تعمیر اور مستقبل کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں کہ جو آگے بڑھ کر ان کو اٹھانے کا عزم رکھتا ہو، جو اِن شرائط کو پورا کر سکتا ہو جو مستقبل کا حکمراں بننے کے لیے ضروری ہیں، جو اس صلاحیت اور استعداد سے آراستہ ہو جو خدا کی دنیا کو چلانے کے لیے درکار ہے۔ جس کی

نگاہیں تہذیب وتمدن کی تعمیر کے مقصد کے اوپر مرکوز ہوں اور اس کے پاس وہ عزم، وہ دعوت اور وہ جذبۂ جہاد بھی ہو جس کے بل پر کسی تہذیب کا نقشہ پلٹا جا سکتا ہے۔

کسی قوم کے لیے ذلت مقدر نہیں ہے۔ ہر قوم کے لیے وہی مقدر ہے جو وہ خود کمائے۔ وہی چیز اس کے نصیب میں ہے جس کے لیے وہ جدوجہد کرے۔ انسان کے لیے قدرت کے اس قانون سے مفر ممکن نہیں ہے کہ وہ بچہ ہو یا جوان، بوڑھا ہو یا قبر میں ٹانگیں لٹکائے بیٹھا ہو، پہلی حالت کی طرف نہیں لوٹ سکتا۔ مگر قومیں بڑھاپے کے بعد بھی جوانی کی طرف واپس لوٹ سکتی ہیں بشرطیکہ ان کے سامنے مقصد ہو، اس کے لیے جستجو ہو، اس مقصد کی آرزو ہو، اور جو اپنے عمل کے حساب سے غافل نہ ہوں۔ اس لیے کہ پھر اقبال کے الفاظ میں دست قضا میں وہی قوم دنیا کے لیے شمشیر بن کر نمودار ہو سکتی ہے جو اپنے عمل کا حساب ہر زمانے میں کرے، ہر لمحے کرے۔ وہی قوم، وہی جماعت، وہی گروہ قدرت کے قانون اور دستِ قضا کے ذریعے دنیا کے مستقبل کا فیصلہ کر سکے گا۔

دراصل مستقبل کہیں باہر نہیں ہے۔ مستقبل تو ہمارے اندر ہے۔ ایک ایک فرد کے اندر بھی اور جماعتوں اور گروہوں اور قوموں کے اندر بھی۔ اگر فرد، جماعتیں، گروہ اور قومیں آرزو اور جستجو سے سرشار ہو کر دعوت اور جہاد کے میدان میں کھڑی ہو جائیں تو مستقبل انھی کا ہے۔

انسان میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی ہے۔ **وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (الحجر ۲۹:۱۵)**۔ اس انسان کی قوت اور طاقت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ وہ چاہے تو پہاڑ کی چوٹیاں سر کر سکتا ہے، سمندر مسخر کر سکتا ہے اور انسانوں کے دلوں کو مسخر کر سکتا ہے۔ وہ شخص انسانیت کو اپنے لیے مسخر کر سکتا ہے جو اپنے آپ سے بھی آگاہ ہو اور اپنے عمل سے بھی غافل نہ ہو۔

دنیا منتظر ہے کہ کون آگے بڑھ کر مستقبل کی زمامِ کار اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ جس سحر کے طلوع ہونے کے لیے انسانیت بے چین و منتظر ہے، اس سحر کی کنجیاں ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ ہم اسی کل کا حصہ ہیں جو دنیا میں نمودار ہونے والا ہے۔ اگر ہم نے اس بات کو پہچان لیا

کہ مستقبل اور زمانہ دنیا میں کسی کا انتظار نہیں کرتا، وہ کسی کا منتظر نہیں ہوتا۔ وہ قافلوں، جماعتوں، گروہوں اور اقوام کو پیچھے چھوڑتا ہوا آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ جو لوگ وقت کے منتظر رہتے ہیں وہ گردِ راہ بن کر رہ جاتے ہیں اور ان کے ڈھانچے تاریخ کی تاریک راہوں پر بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لہٰذا اس بات کو تو اچھی طرح سمجھ لیجیے اور جان لیجیے کہ آپ کو اپنے آپ کو اس قابل بنانا ہے کہ مستقبل کے چیلنج کا جواب دے سکیں۔

آرزو اور جستجو

مستقبل کے چیلنج کا جواب دینے کے لیے سب سے بڑھ کر آرزو اور جستجو کی ضرورت ہوتی ہے۔

زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصلِ در آرزوَ پوشیدہ است

زندگی کی حرکت اور نشوونما کا راز جستجو میں ہے، جہاد اور کوشش اور سعی وجدوجہد میں ہے۔

اس کی جڑیں دل میں سلگتی ہوئی آگ کے اس شعلے کے اندر ہیں جو اپنی منزل پر پہنچنے کے لیے دل کے اندر فروزاں ہو۔ جس انسان کے دل میں یہ شعلہ فروزاں ہو جائے، اور جو جستجو کی راہ پر نکل کھڑا ہو، یا جو جماعت اور گروہ اس جستجو سے سرشار ہو جائے، مستقبل اسی کا ہے۔ مستقبل کے چیلنج کی شرائط میں سے یہ پہلی شرط ہے۔

توجہ اور ساعی کا مرکز

اس سے آگے بڑھ کر جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ کہ ساری صلاحیتوں اور قوتوں کو انقلاب برپا کرنے پر مرکوز کر دیا جائے۔ کیونکہ کام بہت بڑا ہے، وقت کم ہے، اور وقت کا دھارا تیزی کے ساتھ بہہ رہا ہے، اس لیے جو گروہ دنیا کی قیادت سنبھالنے کے لیے آگے بڑھے، جس کو انسان کی زمامِ کار اور اس کی کنجیاں اپنے ہاتھ میں لینی ہوں، اس کو اپنی نگاہوں کو اِدھر

اُدھر بھٹکنے سے اور غیر اہم، جزوی اور فروعی کاموں میں الجھنے سے بچانے کی ضرورت ہے۔ ساری توانائیاں، ساری قوتیں، ساری توجہ اور مساعی اسی ایک نکتے پر مرکوز ہو جانی چاہییں کہ انقلاب آئے اور دنیا کی امامت صرف اسلام کے ہاتھ میں ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کسی مخصوص جماعت، گروہ یا قوم کے ہاتھ میں ہو بلکہ اسلام کے ہاتھ میں آ جائے۔ وہ لوگ جو مسلمان ہونے کے دعوے دار ہیں، اگر انھوں نے اپنے آپ کو اس استعداد اور صلاحیت کا مستحق نہ ثابت کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تنبیہ موجود ہے کہ وہ دوسری قوم لے آئے گا۔ اہل ایمان کی یہ نشانی بیان کی گئی ہے کہ وہ اس کی محبت اور اس تک پہنچنے کے نشے سے سرشار ہوتے ہیں۔ وہ ان سے محبت کرے گا، وہ اس سے محبت کریں گے۔ **فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ** (المائدہ ۵:۵۴)' ساری قوتیں سمیٹ کر، ساری توجہات سمیٹ کر اسی ایک نکتے پر مرکوز کر دینا، یہی وہ چیز ہے جو مستقبل کی راہ کو ہموار کرتی ہے۔

انسانی معاشرہ اور استعداد

تیسری بات یہ بھی یاد رکھیے کہ مستقبل انسانوں کا نام ہے۔ یہ جغرافیائی خطوں، ریگستانوں، دریاؤں اور ٹیکنالوجی کا نام نہیں ہے۔ جس نے انسانوں کو مٹھی میں لے لیا، جس نے دلوں کو مسخر کر لیا اور انسانی قافلے کی زمامِ کار سنبھالنے کے قابل ہوا، وہی دنیا کا امام بنے گا۔

انسان کو ضعیف اور کمزور پیدا کیا گیا ہے، **وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا** (النساء ۴:۲۸)۔ انسانوں میں ہر طرح کے انسان ہیں۔ مختلف استعداد اور صلاحیتوں کے انسان ہوتے ہیں۔ ان سارے انسانوں کو مستقبل کی تعمیر کے لیے تیار کر لینا، آمادہ کر لینا، اپنے ساتھ چلا لینا ایک چیلنج ہے۔ جو گروہ یا جماعت اس چیلنج کو کامیابی کے ساتھ قبول کرے گی، مستقبل اسی کا ہوگا۔ اس کے مقابلے میں جو گروہ یا جماعت اپنی ذات میں گم ہو کر رہ جائے، کھڑی کی کھڑی رہ جائے، زمانہ اس سے آگے بڑھ جائے گا۔ خانقاہیں اور مدرسے اپنے مقام پر کھڑے رہتے ہیں

اور تعلیم و تربیت اور تزکیہ نفس بھی ہوتا رہتا ہے، لیکن دنیا کی زمامِ کار شیطان کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے۔ زمانہ بہت تیزی کے ساتھ لپک کے آگے چلا جاتا ہے۔ جو مزاجِ خانقاہی کے اندر مبتلا ہو جائے، مستقبل اس کا نہیں ہے۔ اسی لیے ابلیس نے **مجلسِ شوریٰ** میں اقبال کے الفاظ میں فتنۂ فردا جس کا نام اسلام ہے، اس کو سلانے کے لیے جو نسخہ بتایا تھا وہ یہی تھا کہ پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے۔ مسلمان اپنی ہی ذات میں گم ہو کر رہ جائے، اس کو عالم کی تسخیر کا خیال بھی نہ آئے اور نہ عالم کی تسخیر کی استعداد کا حامل ہی ہو۔

انسان بڑا اہم ہے اور کمزور بھی۔ اس حوالے سے سیرت النبیؐ سے ایک واقعہ بطور تذکیر پیش ہے جو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔

ایک بدو رسول پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ امداد مانگی۔ آپ ﷺ نے نے کچھ مدد کی، اور پوچھا کہ کیا اب تم مطمئن ہو؟ وہ بولا: نہیں، میں بالکل مطمئن نہیں ہوں۔ آپ ﷺ نے میرے ساتھ کوئی اچھا برتاؤ نہیں کیا۔ یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو غصہ آ گیا اور آنا بھی چاہیے تھا۔ وہ جذبات میں آ کر اس کو مارنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کو روک دیا، اندر تشریف لے گئے، اور آدمی کو اشارہ کیا کہ ساتھ آؤ۔ اندر جانے کے بعد اس کو اور بہت کچھ دیا اور فرمایا کہ اب تم مطمئن ہو۔ اس نے کہا: ہاں، اب میں مطمئن ہوں اور خوش ہوں۔ آپ ﷺ تو بڑے اچھے آدمی ہیں۔ آپ کا خاندان اور قبیلہ بڑا اچھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی جو تم نے باہر بات کی ہے، میرے ساتھی اس سے ناراض ہو گئے ہیں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تم کل پھر آؤ اور یہی بات ان کے سامنے دہرا دو۔ اس نے کہا: ضرور، میں آ جاؤں گا۔ چنانچہ اگلے دن وہ پھر آیا۔

حضور ﷺ مجلس میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے بیان فرمایا کہ کل یہ آدمی آیا تھا۔ اس نے ایسی بات کہی جس سے تمھاری دل آزاری ہوئی۔ پھر میں نے اس کو اندر لے جا کر اور دیا۔ اب یہ خوش اور مطمئن ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے کہا کہ کیوں بھائی، یہی بات ہے؟

اس نے کہا: آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ آپ ﷺ نے مجھے مطمئن کر دیا اور آپ ﷺ بہت اچھے آدمی ہیں۔ آپ ﷺ کا خاندان بھی اچھا ہے اور قبیلہ بھی۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمھاری مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک اونٹنی کا مالک ہو اور اونٹنی بھاگ کھڑی ہو۔ مالک کے ساتھی ڈنڈے لے کر اونٹنی کو قابو کرنے کے لیے اس کے پیچھے دوڑ پڑیں اور وہ مزید بدک جائے۔ مالک نے ان سے کہا کہ ٹھیر جاؤ۔ میں اس کا مزاج بھی جانتا ہوں اور اس کو قابو بھی کر سکتا ہوں۔ اس نے اپنے ہاتھ میں تھوڑا سا چارہ لیا اور چارہ لے کر دور سے اونٹنی کو دکھایا۔ اونٹنی نے چارہ دیکھا تو وہ پلٹ پڑی اور پلٹ کر آہستہ آہستہ قریب آ گئی۔ جب وہ قریب آ گئی تو مالک کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ مالک نے اس کو بٹھایا اور اس کے اوپر کجاوہ کسا اور سوار ہو کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس واقعے کے آخری الفاظ قابل غور ہیں۔ اگر انسانوں کے اوپر کجاوہ کس کر مستقبل کی منزل کو سر کرنا ہے، تو اس کا راستہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے جو اس واقعے کے اندر بیان ہوا ہے۔ انسانوں کے دلوں کو مسخر کر کے ہی وہ قوت بن سکتی ہے جو ایک عالم کو مسخر کر سکے۔ انسانوں سے محبت کر کے ہی وہ قوت تشکیل پا سکتی ہے جو انسانوں کی محبوب بن جائے۔ انسانوں کی خدمت کر کے ہی وہ قوت وجود میں آ سکتی ہے جو انسانوں کی خادم بن جائے۔

مستقبل کی کوئی تعمیر انسانوں کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی تائید جماعتِ مومنین کی صورت میں ہی نمودار ہوتی ہے۔ انسانوں کی جماعت بن جائے تو اللہ کی تائید ظاہر ہوتی ہے۔ جب انسان اس لائق ہوں گے کہ بگڑے ہوئے انسانوں کو، گناہ گار انسانوں کو، ضعیف اور کمزور انسانوں کو اپنے ساتھ لے کر چل سکیں، جبھی اللہ کی زمین پر اللہ کا دین غالب ہوگا۔

کوئی انسان کامل نہیں بن سکتا، اور سارا معاشرہ تو کبھی بھی کامل نہیں بنا اور نہ بن سکتا ہے۔ اس میں ہمیشہ اچھے اور برے لوگ موجود رہے ہیں۔ خیر اور شر، یہ تو ہر انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اصحابِ یمین کو جن کے ساتھ گناہ بھی ہوں گے اور نیکیاں بھی، مگر جن

کی نیکیوں کا وزن زیادہ ہوگا، ان کو جنت میں داخل فرما دے گا، ان سارے گناہوں کے باوجود جو وہ لے کر آئیں گے کیونکہ ان کی نیکیوں کا وزن زیادہ ہوگا، اس لیے ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ لہٰذا تحریک سے وابستہ جن افراد کو یہ ڈر لگا رہتا ہو کہ کوئی کمزور، خراب اور گندا آدمی ہمارے پاس آ گیا تو ہم ناپاک ہو جائیں گے، یا ہمارا معیار متاثر ہو جائے گا، یہ مناسب نہیں۔ یہ تصور ہندو معاشرے سے آیا ہے۔ یہاں تک کہ اعمال کی بنا پر لوگ ملیچھ اور ناپاک ہو جایا کرتے ہیں۔ مگر جو رب کی طرف سے توبہ کے دروازے پر منادی بن کر کھڑا ہوا ہو، وہ تو آگے بڑھ کر گناہ گاروں کا استقبال کرے گا کہ آؤ، ہمارے قریب آؤ تا کہ تمھارے گناہ دھل سکیں، اور تم اس کارواں کا حصہ بن سکو جو کارواں مستقبل کو سر کرنے کے لیے میدان میں اترا ہے۔ انسانوں کی اس قوت کے بغیر، انسانوں کو اس طرح ساتھ لیے بغیر، پورے کے پورے معاشرے کو جس میں مرد و عورت، ضعیف و کمزور، بوڑھے اور بچے، توانا و بیمار، گناہ گار اور نیکو کار، ہر قسم کے لوگ شامل ہیں، کوئی قوت جو انقلاب لانا چاہتی ہو، اگر وہ سطحی تبدیلی نہیں لانا چاہتی، اگر وہ محلاتی سازش کے ذریعے انقلاب لانا نہیں چاہتی تو وہ معاشرے کو مسخر کیے بغیر مستقبل کا معرکہ سر نہیں کر سکتی۔

یہ چند بنیادی شرائط و تقاضے ہیں جن کو سمجھنے، قبول کرنے اور اختیار کرنے پر میرے نزدیک تحریک کے مستقبل کا انحصار ہے۔

مستقبل کا چیلنج

تحریک کے مستقبل کا انحصار اسی پر ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ مستقبل ہمارا ہے۔ ہم اس یقین سے سرشار ہوں کہ کوئی بھی قوت مستقبل کو ہم سے چھین نہیں سکتی۔ لیکن ہم خود اس کو ضرور ضائع کر سکتے ہیں، اگر ہم نے اس کا حق ادا نہ کیا۔

مستقبل کسی کا منتظر نہیں ہے۔ زمانے کا بہاؤ تو ایسا ہے کہ زمانہ بہتا چلا جاتا ہے اور لوگ

پیچھے رہ جاتے ہیں۔ مستقبل تو اسی کا ہے جو آگے بڑھ کر خانقاہی مزاج کو ترک کر کے زمانے کی باگ اپنے ہاتھ میں سنبھال لے۔

علامہ اقبال اپنی کتاب میں مشہور صوفی مولانا عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم آسمان تک گئے اور واپس آ گئے۔ اگر میں خدا کے پاس آسمان تک جاتا تو کبھی واپس نہ آتا۔ علامہ اقبال ان صوفی کے الفاظ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ دراصل یہی فرق ہے پیغمبر اور صوفی کا۔ صوفی کی معراج ہی یہ ہے کہ وہ حق کو پالے اور حق میں فنا ہو جائے۔ لیکن پیغمبر حق کو پالیتا ہے تو وہ انسانیت کی خاطر واپس آ جاتا ہے، اور واپس آ کر اپنے آپ کو تاریخ کے دھارے میں ڈھال دیتا ہے، اور زمانے کو سنبھال کر اپنے لیے ایک نیا عالم پیدا کرتا ہے۔ یہ پیغمبرانہ کام ہے۔ یہ پیغمبرانہ چیلنج ہے۔

جب تک نظریں اسی نکتے پر مرکوز نہیں ہوتیں۔ اور فروعی اور جزوی مسائل سے اپنے آپ کو ہٹا کر اور بلند کر کے اسی ایک مقصد پر نگاہیں نہیں جما دی جاتیں، مستقبل کا چیلنج سر نہیں ہو سکتا۔ سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے زیادہ واضح الفاظ میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا کو اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ لوگوں کی داڑھیاں رکھوائیں، ان کے پائنچے اونچے کروائیں بلکہ اس لیے بھیجا تھا کہ وہ ساری انسانیت کو اللہ کی بندگی کے سانچے میں ڈھالیں۔ آج سے تقریباً پچاس سال پہلے سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے انبیا کے اسی کام اور مشن کو سامنے رکھتے ہوئے یہ الفاظ کہے تھے اور ان کی کتاب ''**تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں**'' کے اندر یہ موجود ہیں۔

شیطان کا تو نسخہ ہی یہ ہے کہ مومن کو اپنا کردار ادا کرنے سے پیچھے ہٹا دے۔ جب انسان اس عمل و کردار اور جستجو و سعی اور جہاد سے پیچھے ہٹ جاتا ہے تو پھر اس کے سارے مہرے مات ہو جاتے ہیں۔ امتِ مسلمہ کے مہرے اسی لیے مات ہو رہے ہیں کہ امت ان چیزوں میں الجھی ہوئی ہے جن کا کوئی تعلق مقصدِ انسانیت اور مقصد نبوت سے نہیں ہے۔ لہٰذا وہ جماعت، وہ قوم، وہ گروہ جو کارِ رسالت کے لیے کھڑا ہوا ہے، اس کو بھی اپنی ساری توجہات اسی مقصد رسالت پر

لگانا چاہیے۔ اسے انسانوں کو ساتھ لے کر چلنے کا گُر اور فن اس شخص سے سیکھنا چاہیے جس نے جاہلوں کو، بدوؤں کو، مخالفوں کو، اپنے چچا کے قاتلوں کو اپنے ساتھ اس طرح چمٹا لیا تھا جس طرح کہ شہد کی مکھیاں آ کر چمٹ جاتی ہیں، اور جس نے وہ قوت بنا دی کہ جس نے سو سال کے عرصے میں سپین کی وادیوں سے لے کر چین کے ساحلوں تک محمد عربی ﷺ کی آواز اور ان کا پیغام بلند کر دیا۔

اسلام پر ایک اعتراض

اسلامی نظام پر معترضین کی طرف سے سب سے بڑا اعتراض یہ اٹھایا جاتا ہے کہ اگر اسلام ایک بہتر اور جامع نظام ہوتا تو کیوں تیس سال سے زیادہ نہ چل سکا؟

یہ سوال اور اعتراض تو بہت پرانا ہے۔ جب سے ہم نے یہ کام شروع کیا ہے، یہ اعتراض برابر اٹھ رہا ہے۔ میں اس کا تفصیلی جواب اس گفتگو میں نہیں دے سکتا۔ مختصراً چند باتیں عرض کرتا ہوں۔

اسلام کے مختلف پہلو ہیں۔ ایک اسلام وہ ہے جو مثالی اسلام ہے۔ جس طرح ایک مومن وہ ہوتا ہے جو مثالی مومن ہوتا ہے، اور مثالی مومن سے کم درجے کے بھی بہت سارے مسلمان ہوتے ہیں۔ اسلام تو دنیا کا وہ واحد نظام ہے، اور میں یہ الفاظ بلا خوف تردید کہہ رہا ہوں، کہ وہ واحد نظام ہے جو اپنی مکمل شکل وصورت میں، جسے مخالفین ومعترضین بھی تسلیم کرتے ہیں، تیس سال تک چلا۔ دنیا میں کوئی نظام ایسا نہیں ہے جو اتنی مدت تک ہی چلا ہو۔ کمیونزم تو اس انتظار میں رہا کہ وہ اپنی اصل شکل میں ظہور پذیر ہو، اور ظہور پذیر ہونے سے پہلے ہی اس کا ڈھانچہ درہم برہم ہو گیا۔ جمہوریت اور سرمایہ داری کے علم بردار آج تک یہ غور کرتے رہتے ہیں کہ ہم اپنے معیار سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔

اسلام کی حیثیت ایک عمارت کی سی ہے۔ عمارت جب بن جاتی ہے تو وہ اچانک نہیں منہدم ہو جاتی۔ کہیں سے دروازہ ٹوٹتا ہے، کہیں کھڑکی ٹوٹتی ہے، کہیں دیوار کے اندر سوراخ

ہوجاتا ہے، کہیں چھت ٹپکنے لگتی ہے۔اس قسم کی خرابیوں کی طرف اشارہ کر کے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسلام تیس سال سے زیادہ نہیں چلا۔

اسلام نے جو تہذیب پیدا کی، تہذیب کی جو عمارت اٹھائی، جو تمدن پیدا کیا، وہ تو ایک ہزار سال تک دنیا کے اندر غالب رہا۔ اس کی مثال انسانی تاریخ پیش نہیں کر سکتی کہ کوئی تہذیب وتمدن اتنے عرصے دنیا کے اندر غالب رہا ہو۔لوگ بدلتے رہے،عرب چلے گئے تو سلجوق آ گئے، سلجوق چلے گئے تو مغل آ گئے، مغل چلے گئے تو عثمانی آ گئے۔لیکن اسلام کی تہذیب وتمدن اپنی کچھ اس سے کم شکل میں جو معیاری ہے ایک ہزار سال تک غالب رہی۔ آج بھی اگر چہ ریاست اور حکومت کی زمام اس کے ہاتھ میں نہیں ہے، لیکن دنیا کی ایک بڑی آبادی ہے جس کے اندر اسلام کو قبول کیا جاتا ہے، اسلام کے مطابق زندگیاں تعمیر کی جاتی ہیں۔

یہ پہلو بھی پیش نظر رہے کہ دنیا میں کوئی نظام اتنی تیزی سے غالب نہیں ہوا جتنی تیزی سے اسلام ہوا۔

مشہور نومسلم محمد اسد کے الفاظ میں سب سے بڑی غیر مسلم تہذیب کی مثال رومن تہذیب کی ہے۔رومن تہذیب کو دنیا میں غالب ہونے میں چھ سو سال لگے، اور مٹنے کے لیے اسّی سال درکار ہوئے۔کمیونزم کو تو غالب ہونے میں ۷۰ سال لگے اور پھر ایک سال کے اندر پوری پارٹی اور پورا نظام درہم برہم ہو گیا۔اسلام تو سو سال کے عرصے میں متمدن دنیا کے اندر سپین سے لے کر چین تک غالب آ گیا اور آج تک کوئی اس کو مٹا نہیں سکا۔یہ آج بھی آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز ہے۔

یہ ایک جواب ہے جو آپ معترضین کو دے سکتے ہیں۔لیکن جس کا کام ہی اعتراض کرنا ہو، اس کے بارے میں قرآن یہ کہتا ہے کہ ان سے اعراض برتا جائے بجائے اس کے کہ جواب دیا جائے۔(اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کے سالانہ اجتماع عام منعقدہ فیصل آباد سے خطاب)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

❖❖❖